محمد عمار خان ناصر

علمِ حدیث میں درایتی نقد کا تصور

خبر کی اہمیت اور نقدِ خبر کا معیار

انسانی علم کے عام ذرائع میں خبر بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا دائرۂ کار وہ امور ہیں جن تک انسان کے حواس اور عقل کی رسائی نہیں ہے۔ ہم اپنے حواس کی مدد سے صرف ان چیزوں کے بارے میں جان سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ہوں اور ہم ان پر دیکھنے، سننے، چھونے، سونگھنے اور چکھنے کی صلاحیتیں بروئے کار لا سکتے ہوں۔ اسی طرح ہماری عقل صرف ان معلومات کو ترتیب دے کر مختلف نتائج اخذ کر سکتی ہے جو ہمارے حواس اس تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن باقی امور کے علم کے لیے ہمیں دوسرے انسانوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو ہمیں ان تجربات کے بارے میں بتا سکیں جو انھیں حاصل ہوئے یا ان واقعات کی خبر دے سکیں جن کا انھوں نے مشاہدہ کیا ہے۔

انسانی تمدن کی تشکیل اور ارتقا میں خبر نہایت اہم کردار کرتی ہے۔ اسی کے ذریعے سے افراد اور گروہ ان لوگوں کے بارے میں جانتے، تصورات قائم کرتے اور اس کے نتیجے میں مختلف علمی و عملی رویے اختیار کرتے ہیں جن سے ان کا براہ راست واسطہ نہیں یا جو زمانی لحاظ سے ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اسی کے ذریعے سے نسلِ انسانی مختلف میدانوں میں اپنے تجربات و اکتشافات کو محفوظ کر کے اگلی نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتی ہے۔

تاہم انسان کو حاصل ہونے والی دوسری تمام صلاحیتوں کی طرح، خبر کی صلاحیت بھی نقائص اور خامیوں سے پاک نہیں۔ خبر کی افادیت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس میں حقیقتِ واقعہ کو بالکل اسی طرح بیان کیا گیا ہو جیسی کہ وہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہر خبر اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر کو روایت کرنے والے، جیسا کہ واضح ہے، انسانوں ہی میں سے کچھ افراد ہوتے ہیں اور اس کے مضمون کی ترتیب میں ان کی طبعی صلاحیتوں، مشاہدہ و استنباط کے طریقوں، ان کے گرد و پیش کے حالات اور ان کے کردار کا نہایت گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہ تمام عوامل، بالعموم واقعہ کی حقیقی تصویر کو خراب کرنے اور اس میں سے حقیقت کے عنصر کو کمزور کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس نقص کے ازالہ کے لیے نسلِ انسانی کے عقلا نے صدیوں کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں روایت کی جانچ پرکھ کے مختلف اصول وضع کیے ہیں جن کا اطلاق کر کے کسی بھی روایت کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی اور ماخذِ علم کے طور پر اس کا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ اصول وضوابط کیا ہیں؟ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے حسبِ ذیل اقتباس میں ان کے بنیادی پہلو نہایت خوبی سے بیان کیے گئے ہیں:

''ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کسی خبر کی تحقیق کا سخت سے سخت قابلِ عمل معیار کیا ہو سکتا ہے۔ فرض کیجیے زید نام کا ایک شخص اب سے سو برس پہلے گزرا ہے جس کے متعلق عمرو ایک روایت آپ تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو تحقیق کرنا ہے کہ زید کے متعلق یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ اس غرض کے لیے آپ حسبِ ذیل تنقیحات قائم کر سکتے ہیں:

۱۔ یہ روایت عمرو تک کس طریقے سے پہنچی؟ درمیان میں جو واسطے ہیں، ان کا سلسلہ زید تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ درمیانی راویوں سے ہر راوی نے جس شخص سے روایت کی ہے، اس سے وہ ملا بھی تھا یا نہیں۔ ہر راوی نے روایت کس عمر اور کس حالت میں سنی؟ روایت کو اس نے لفظ بلفظ نقل کیا یا اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا؟

۲۔ کیا یہی روایت دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو سب بیانات متفق ہیں یا مختلف؟ اور اختلاف ہے تو کس حد تک؟ اگر کھلا ہوا اختلاف ہے تو مختلف طریقوں میں سے کون سا طریق زیادہ معتبر ہے؟

۳۔ جن لوگوں کے واسطے سے یہ خبر پہنچی ہے، وہ خود کیسے ہیں؟ جھوٹے یا بد دیانت تو نہیں؟ اس روایت میں ان کی کوئی ذاتی یا جماعتی غرض تو مخفی نہیں؟ ان میں صحیح یاد رکھنے اور صحیح نقل کرنے کی قابلیت تھی یا نہیں؟

۴۔ زید کی افتادِ طبع، اس کی سیرت، اس کے خیالات اور اس کے ماحول کے متعلق جو مشہور و متواتر روایات یا ثابت شدہ معلومات ہمارے پاس موجود ہیں، یہ روایت ان کے خلاف تو نہیں ہے؟

۵۔ روایت کسی غیر معمولی اور بعید از قیاس امر کے متعلق ہے یا معمولی اور قرین قیاس امر کے متعلق؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا طرقِ روایت اتنے کثیر، مسلسل اور معتبر ہیں کہ ایسے امر کو تسلیم کیا جا سکے؟ اور اگر دوسری صورت ہے تو کیا روایت اپنی موجودہ شکل میں اس امر کی صحت کا اطمینان کرنے کے لیے کافی ہے؟

یہی پانچ پہلو ہیں جن سے کسی خبر کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔''[1]

اس اقتباس کا تجزیہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں روایت کی تنقید کے دو مستقل اور جداگانہ معیاروں کا ذکر کیا گیا ہے:

پہلا معیار ''روایتی معیار'' ہے جس میں اصل بحث راوی کی شخصیت، سند کے اتصال، روایت کے طریقوں اور اس کی مختلف سندوں سے ہوتی ہے۔ اقتباس میں مذکور پہلے تین امور اسی معیار سے متعلق ہیں۔

---

[1] تفہیمات، ۱/۳۴۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دوسرا معیار ''درایتی معیار'' ہے جس میں مذکورہ امور سے ہٹ کر دیگر عقلی قرائن کی روشنی میں متنِ روایت کی صحت واستناد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ گویا درایت سے مراد ایسے قرائن کا علم اور اطلاق ہے جن کا لحاظ رکھنا، عقلِ عام اور روزمرہ انسانی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں، کسی بھی خبر کا مقام متعین کرنے میں ضروری ہے۔ اقتباس میں مذکور آخری دونوں امور اسی معیار کی وضاحت کرتے ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں مسلمانوں کی علمی روایت میں نقدِ خبر کے درایتی معیار اور اس کے عملی اطلاق کے مختلف پہلوؤں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات آغاز ہی میں پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مختلف روایات پر تنقید کے سلسلے میں ہم نے اہل علم کی جو آرا نقل کی ہیں، ان سب سے اتفاق نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں، بلکہ ہماری رائے میں ان میں سے بیشتر روایات کی ایسی معقول اور اطمینان بخش توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں جن سے ان پر وارد ہونے والے اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں ان آرا کو نقل کرنے کے بنیادی مقصد دو ہیں: ایک تو اس حقیقت کی وضاحت کہ جزوی اختلاف کی گنجایش کے باوجود اصولی طور پر روایات پر درایتاً تنقید کرنے کا طریقہ اکابر اہل علم کے ہاں معروف ومسلم رہا ہے اور دوسرا ان مختلف پہلوؤں کی نشان دہی جو اس سلسلے میں اہل علم کے زیرِ غور آئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین میں نقدِ درایت کی بنیاد

روایت کی تحقیق کرتے ہوئے حالات وقرائن کی روشنی میں اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کی تعلیم خود قرآنِ مجید نے دی ہے۔ سورۂ نور میں واقعۂ افک کے ضمن میں ارشاد ہے:

لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ (النور۲۴: ۱۲)

''ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو مومن مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیا اور کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں جن کے بطلان کے قرائن اس قدر واضح ہوتے ہیں کہ ان کو سنتے ہی ان کی تردید کر دینی چاہیے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں روایت ہے کہ جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اپنی اہلیہ سے فرمایا: ''یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب، کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟'' انھوں نے کہا: ''بخدا نہیں۔'' تو فرمایا: ''اللہ کی قسم، عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہتر ہیں۔''[۲]

مسندِ احمد میں حضرت ابو اسید الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲؎ تفسیر القرآن العظیم ۳/۲۷۳۔

اذا سمعتم الحديث تعرفه قلوبكم وتلين له اشعاركم وابشاركم وترون انه منكم قريب فانا اولاكم به واذا سمعتم الحديث عنی تنكره قلوبكم وتنفر منه اشعاركم وابشاركم وترون انه منكم بعيد فانا ابعدكم منه ۔

(مسند احمد ابن حنبل ۵/۴۹۷)

''جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جس سے تمھارے دل مانوس ہوں اور تمھارے بال وکھال اس سے متاثر ہوں اور تم اس کو اپنے سے قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حق دار ہوں اور جب کوئی ایسی حدیث سنو جس کو تمھارے دل قبول نہ کریں اور تمھارے بال و کھال اس سے متواحش ہوں اور تم اس کو اپنے سے دور سمجھو تو میں تم سے بڑھ کر اس سے دور ہوں۔''

صحابۂ کرام کی آرا میں نقد درایت

www.javedahmadghamidi.com

درایت کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایات کو پرکھنے کے طریقے کا آغاز حضرات صحابۂ کرام ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ فقہا صحابہ کی آرا کے استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں قبولِ روایت کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور اصولِ شرع کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی روایت ان کے سامنے آتی جو ان کے علم وفہم کے مطابق کتاب اللہ یا سنت سے معارض ہوتی تو وہ اسے راوی کی کم فہمی پر محمول کرتے ہوئے حسب ذیل دو طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرتے تھے:

ایک یہ کہ سرے سے روایت ہی کو رد کر دیتے۔

دوسرا یہ کہ اپنے فہم کے مطابق روایت کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مدعا تو یہ تھا، لیکن راوی نے اسے غلط سمجھا اور اپنی سمجھ کے مطابق اسے روایت کر دیا۔

جلیل القدر صحابۂ کرام کی آرا میں درایتی نقد کے شواہد حسبِ ذیل ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت عائشہ نے متعدد مواقع پر بعض صحابۂ کرام کی بیان کردہ روایتوں کو ان کی ظاہری شکل میں اس بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ ان کے نزدیک کتاب اللہ کے نصوص یا اصولِ شرع کے خلاف تھیں۔ ان میں سے چند مثالیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: 'ان المیت

لیعذب ببکاء اھلہ علیہ'۔ ''بے شک مردے کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔''

حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا:

یرحم اللّٰہ عمر لا واللّٰہ ما حدث رسول اللّٰہ ان اللّٰہ یعذب المومن ببکاء احد ولکن قال ان اللّٰہ یزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ قال وقالت عائشۃ حسبکم القرآن: وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (مسلم، رقم ۲۱۵۰)

''اللہ تعالیٰ عمر پر رحم کرے، بخدا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کسی کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں۔ آپ نے کافر کے بارے میں فرمایا ہوگا کہ اس کے پس ماندگان کے رونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے عذاب میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمھیں قرآن کی یہ آیت کافی ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: 'الطیرۃ فی المراۃ والدابۃ والدار'۔ ''نحوست عورت میں، سواری کے جانور میں اور گھر میں ہوتی ہے۔''

تو حضرت عائشہ نے کہا:

والذی انزل الفرقان علی ابی القاسم ما ھکذا کان یقول ولکن کان یقول کان اھل الجاھلیۃ یقولون الطیرۃ فی المراۃ والدابۃ والدار ثم قرات عائشۃ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا۔ (مسند احمد، ۶/۲۴۰)

''اللہ کی قسم، رسول اللہ نے ایسا نہیں فرمایا۔ آپ نے تو اہلِ جاہلیت کے بارے میں فرمایا ہوگا کہ وہ یوں کہتے ہیں۔ پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ''تمھیں زمین میں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی یعنی طے شدہ ہے، اس سے پہلے کہ ہم اس کو وجود میں لائیں''۔''

مسند ابی داؤد الطیالسی میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل کر دیا کیونکہ اس نے اس کو باندھ رکھا تھا۔ نہ اس کو خود کھلاتی پلاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لے۔ حضرت عائشہ نے یہ حدیث سن کر کہا:

المومن اکرم عند اللّٰہ من ان یعذبہ فی جرء ھرۃ اما ان المراۃ من ذالک کانت

''اللہ کے ہاں مومن کا مرتبہ اس سے بلند تر ہے کہ وہ اس کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دے۔ یہ عورت،

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

كافرة۔ ابا هريرة اذا حدثت عن رسول الله فانظر كيف تحدث۔ (مسند ابی داؤد الطیالسی: ص ۱۹۹)

درحقیقت، کافر ہوگی۔ ابو ہریرہ، جب رسول اللہ سے کوئی حدیث نقل کرو تو سوچ سمجھ کر نقل کیا کرو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی کہ ان کے خاوند نے انھیں تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عدت کے دوران میں ان کا نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

ما كنا لندع كتاب ربنا وسنة نبينا لقول امراة لا ندری احفظت ام لا۔ (سنن ابی داؤد رقم ۲۲۹۱)

''ہم کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت کو ایک عورت کی بات پر نہیں چھوڑ سکتے جس کو پتہ نہیں بات یاد بھی رہی یا نہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ

سنن ابی داؤد میں معقل بن سنان الاشجعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں، جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا اور نکاح میں اس کے مہر کی مقدار طے نہیں کی گئی تھی، یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کو اتنا ہی مہر دیا جائے جتنا اس کے خاندان کی عورتوں کو عام طور پر دیا جاتا ہے[۳]۔

تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا:

لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا بقول اعرابی بوال علی عقبيه۔ (الآمدی، الاحکام، ۳/ ۱۶۰۔ الشافعی، الام ۷/ ۹۔ ۳۶۳۔ ابن الہمام، التحریر، ۲/ ۲۷۲۔)

''ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ایک (اجڈ اور ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے دیہاتی کی بات پر نہیں چھوڑ سکتے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو عبداللہ ابن عباس نے اس کو خلافِ عقل و قیاس ہونے کی بنا پر قبول نہ کیا اور فرمایا: 'انتوضا من الدهن؟ انتوضا

۳؎ سنن ابی داؤد، رقم ۲۱۱۶۔

من الحمیم؟'۔ ''کیا ہم چکناہٹ سے وضو کریں؟ کیا ہم گرم پانی کے استعمال سے وضو کریں؟''

اس پر حضرت ابوہریرہ نے کہا: 'اذا سمعت عن رسول اللّٰہ حدیثا فلا تضرب له مثلا'۔ ''جب تم رسول اللہ کی کوئی حدیث سنو تو اس کے مقابلے میں باتیں نہ بنایا کرو۔''[4]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بن الربیع نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ان اللّٰہ قد حرم علی النار من قال لا اله الا اللّٰہ یبتغی بذلك وجه اللّٰہ'۔ ''جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا۔''

حضرت ابو ایوب انصاری نے یہ سنا تو فرمایا: 'واللّٰہ ما اظن رسول اللّٰہ قال ما قلت قط'۔ ''بخدا میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ نے کبھی ایسی بات فرمائی ہو گی۔''[5]

حافظ ابن حجر ان کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ گناہ گار موحدین جہنم میں نہیں جائیں گے، حالانکہ یہ بات بہت سی آیات اور مشہور احادیث کے خلاف ہے۔[6]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

واقعۂ معراج کی روایات میں ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے تو آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اسے ایک پتھر کے ساتھ باندھ دیا۔[7]

لیکن حضرت حذیفہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: 'ویتحدثون انه ربطه۔ لما؟ لیفر منه؟ وانما سخره له عالم الغیب والشهادة'۔ ''لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس جانور کو باندھ دیا۔ کیوں؟ کیا آپ کو یہ خدشہ تھا کہ وہ بھاگ جائے گا؟ اسے تو عالم الغیب والشہادۃ نے آپ کے لیے مسخر کیا تھا۔''[8]

(باقی)

---

۴ ترمذی، رقم ۷۹۔

۵ البخاری، رقم ۱۱۸۶۔

۶ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ۳/ ۶۲۔

۷ صحیح مسلم ومسند احمد عن انس، مسند البزار والترمذی عن بریدہ، دلائل النبوۃ للبیہقی عن ابی سعید۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۔ ۲۴۔

۸ ترمذی، رقم ۳۱۴۷۔ مسند احمد، رقم ۲۲۲۴۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org